# مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں

## اسلام کی عالمگیر فتوحات کا ایک تاریخی باب

(از مولانا حامد الانصاری غازی)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد تاریخ کا ایک اہم باب ہے یہ باب انسانی تاریخ کے ارتقار کے ساتھ اپنے لیے ایک مستقل وسعت پیدا کرتا رہا ہے۔ مسلمان دنیا کے قلب سے اُٹھے اور ایک شانِ امتیاز کے ساتھ آگے بڑھے۔ ایک طرف عرب کے ہرے بھرے نخلستانوں سے فیضیاب ہوئے اور دوسری طرف مغرب اقصیٰ کے دامنوں سے مردانہ وار گذرے۔ اسپین پہنچے تو انہوں نے "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" کا اصول وضع کیا۔ اس ملک کو پاک، صاف مسجدوں، شائستہ درسگاہوں، آراستہ، پیراستہ محلوں، ترقی یافتہ نوآبادیوں، شفاخانوں اور صحت گاہوں، باغ و بہار اور گل و گلزار کی ایک رنگین و نزہت آئین جنت بنایا اور اس کا نام اندلس رکھا۔ اندلس سے قدم آگے بڑھائے تو فرانس کے پہلو میں "پیری نیز" کے سلسلۂ کوہ تک پہنچے۔

اسلام کی فتوحات کا یہ سلسلہ ایک طرف فرانس تک پہنچا تو دوسری طرف مشرق اور انتہائے مشرق کے بعید ترین گوشوں تک پہنچ کر بھی دنیا کے روکے نہ رک سکا۔ مسلمانوں کی فاتح و مظفر فوج کا ہراول دستہ جب ارادوں کے اسلحے لے کر اُٹھا تو تمام دنیا کی فتح کی خبر لایا۔ اُس نے عرب سے چل کر شام پہنچ کر صبح کی، قدس سے انسانی معراج کی منزل دریافت کی۔ بحر روم کے مشرقی ساحل پر پہنچ کر صبحدم وہاں کے میٹھے سنگتروں کا رس چوسا، عراق کے دجلہ و فرات کا شیریں پانی پی کر تازہ دم ہوا اور آخر کار عجم کی راہ سے گذرا اور

سنہ ھ پہنچ کر ہند کی سلطنت کے تخت پر اپنے قدم رکھنے میں کامیاب ہوا۔

ہندوستان میں زندگی و بیداری کے جو ستون منزل بمنزل قائم ہیں اُن میں سے ہر ایک کی لوح پر مسلمانوں کا نام نقش ہے۔ جب مسلمان اس ملک میں داخل ہوئے تو وہ پردیسی تھے لیکن جب اُن کی فیروز بختی نے ان کی فتوحات کو مکمل کر دیا تو انہوں نے ہر ملک کی طرح اللہ کے اس ملک کو بھی اپنا ملک بنا لیا۔ انہوں نے بعد میں آنے والے فرنگیوں سے بالکل مختلف پالیسی اختیار کی۔ اس ملک کو تہذیب و تمدن کی نئی نعمتوں سے نوازا، اس کے چٹیل میدانوں میں چمن بندی کی، اس کی سلطنت کو منظم کیا، اس کے قانون کی تجدید تشکیل میں حصہ لیا، اُسے اخلاق کی تازہ دولت دی۔ ایک سادہ سمجھ میں آنے والا فطری مذہب عطا کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دیس کو اپنا دیس بنایا۔ مسلمان بھی انگریزوں اور آریوں کی طرح باہر سے آئے۔ انہوں نے اس ملک کی زندگی کے صاف چشموں بہتے ہوئے دریاؤں اور اوپر سے گرنے والے آبشاروں سے پانی پیا۔ وہ ساحل کے علاقوں۔ سندھ کی راہوں اور خیبر کے دروازوں سے اس ملک کی وادیوں میں پہنچے اور یہاں پہنچ کر قدیم قوموں کی طرح رہنے سہنے لگے۔ جب وہ اس ملک میں تازہ دم فوجیوں اور مبلغ تاجروں کی حیثیت میں آئے تھے تو سینکڑوں اور ہزاروں سے زیادہ نہ تھے مگر اب جبکہ وہ اس ملک میں عام ملکیوں کی طرح صدیوں سے رہتے ہیں تو لاکھوں سے متجاوز کروڑوں ہیں۔

## مسلمانوں کی موجودہ ترقی۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے برطانوی ہند کی ۹۵ فیصدی متمدن آبادی میں مسلمانوں کی تعداد چھ کروڑ ۶۵ لاکھ ہے یہ متفرق آبادی اور برما کی اسلامی مردم شماری اس سے علٰحدہ ہے اور اس اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۸ کروڑ کے قریب پہنچتی ہے۔ مسلمان بالعموم اپنی آبادی کے متعلق نو کروڑ کا عدد استعمال کرتے ہیں۔ سرکاری مردم شماری میں فرقہ وارانہ رجحانات کے ماتحت مقررہ ضابطوں کے خلاف جو کارروائی ہوتی رہی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانوں کی آبادی کے متعلق یہ قیاسی اضافہ غلط نہیں ہے

سرکاری دفاتر نے ہندوستان کی آبادی کے متعلق جو آخری اندازہ شائع کیا ہے اُس میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ ہندوستان کی آبادی گذشتہ آٹھ سال میں ترقی کر کے ۴۰ کروڑ نفوس تک پہنچ چکی ہے۔ نئی نسل کے ان پانچ کروڑ انسانوں میں اگر دو کروڑ نہیں تو ایک کروڑ لازمًا مسلمان ہونگے۔ قدرت نے مسلمانوں کو مردم شماری میں اضافہ کا جو سلیقہ دیا ہے اس میں سکھوں کے علاوہ ہندوستان کی اور کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اسلام کی پرجوش تبلیغ اور دین قیم کی فطری کشش ہی مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کا کیا کم باعث تھی کہ پھر اُس پر مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ جس نے بیگانے یگانے اور دشمن دوست بنائیں سونے پر سہاگہ ہوا۔

مسلمانوں نے جب ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا تو وہ گنتی کے چند مبلغ، مصلح اور تاجر تھے۔ ان کی فوجیں ہندوستان کی طرف پہلی بار حق کا نام لے کر ایک نیک مقصد سے آگے بڑھیں تو فوجیوں کی تعداد چھ ہزار[1] سے زیادہ نہ تھی۔ مسلمان سلاطین کا عہد ترقی کے اعتبار سے اگر مایوس کن نہ تھا تو کچھ اُمید افزا بھی نہ تھا۔ مسلمانوں نے انگریزی غلامی کے عہد میں مردم شماری کی جو بہار دیکھی وہ آزادی کے اُس عہد میں نظر نہ آسکی جو غیر مسلم مورخین کی رائے میں "اسلام کی حکومت اور تلوار" کا زمانہ تھا۔

اگرچہ ہندوستان میں انگریزی عہد حکومت کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز اُنیسویں صدی کے تیسرے ربع کے آخر میں ہوا تاہم جب مرہٹوں کی طاقت پارہ پارہ ہو گئی، مسلمانوں کی سلطنت کا زوال مکمل ہو گیا۔ لال قلعہ کے ایوان خاص کے بے نور فانوس کی جگہ انگریزی قمقمے جھلمل کرنے لگے اور ۱۸۱۸ء میں ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا مکمل تسلط قائم ہو گیا تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ[2] سے زیادہ نہیں تھی۔ مسلمانوں نے اپنے عہد میں "صدیوں تک تلوار چمکانے" مورخین کے ایک متعصب طبقے کے خیال کے مطابق "ہندوؤں کے مندروں کو مسمار کرنے، ہندوؤں کو جبرًا مسلمان بنانے اور ہندوستان کی آبادی کو اسلام کے ایوانِ حکومت میں حقِ بندگی ادا کرنے کے لیے تمام مظالم ڈھانے" کے بعد جو کامیابی حاصل کی وہ صرف دو کروڑ انسانوں پر مشتمل تھی یعنی برطانوی عہد کی کامیابی کا ایک چوتھائی —— ہمارے اس عہد کے برخلاف

[1] فتوح البلدان (فتوح السندھ ص۱۲۲) [2] غازی کی یادداشتیں ۱۹۲۳ء

رغبت مسلمان ہونے والے آٹھ کروڑ مسلمانوں کا رُبع۔

## دوسری قوموں سے مسلمانوں کی ترقی کا مقابلہ

گذشتہ ایک صدی میں مسلمانوں کی وسعت پذیر آبادی کا یہ پھیلاؤ اپنی مکمل اور حقیقی شکل میں ان تمام تاریخی اعتراضوں کا جواب ہے جو ہندوستان میں اسلام کے ظہور اور اُس کی قدرتی ترقی پر کیے جاتے رہے ہیں۔ خدا کے چھ ہزار[1] صلاحیت مند بندوں کا ایک قافلہ چھ کروڑ کی فوج کی صورت میں بدل جاتا ہے اور چھ کروڑ سے آٹھ کروڑ اور آٹھ کروڑ سے نو کروڑ ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کی یہ ترقی اسلام کی عام اور عالمگیر ترقی کے مماثل ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح اسلام کا ظہور اور ایک صدی کا عروج تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ[2] ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں مسلمانوں کے نشو و نما کی گذشتہ ایک صدی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

برطانوی ہند کی ۹۵ فیصدی آبادی کے علاوہ دوسری جماعتوں اور فرقوں کی آبادی جس قدر غیر اہم ہے اُسی قدر ہندوستان کے مسلمان زندگی کی نمودگاہ میں زیادہ پھیلے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ عیسائی اپنی سلطنت کے باوجود ایک صدی سے زیادہ عرصہ میں ۳۶ لاکھ (۱٫۴) فیصدی سے زیادہ نہ بڑھ سکے[3] جس مذہبی فرقہ کو سلطنت کی سرپرستی، جائز سے زیادہ ناجائز تبلیغ کی آزادی۔ انگلستان اور امریکہ کے کروڑپتی مخیر دولتمندوں کی ثروت۔ ہندوستان کے برطانوی حکام کی سیاسی حمایت، تقریر و تحریر تالیفِ قلوب اور تبلیغی فریب ہی کی پوری پوری آزادی حاصل تھی، اگر اُس نے ۳۶ لاکھ انسانوں کو تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور کھانے پینے کے ایک مرکز پر جمع کر لیا تو ظاہر ہے کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔

سکھوں کو پنجاب میں گرونانک ایسا نیک سرشت مصلح ملا، گرو گوبند ایسا جرنیل دستیاب ہوا، رنجیت سنگھ

---

[1] فتوحات الاسلامیہ (سید احمد زینی دحلان) مطبوعہ ۱۳۱۱ھ مکہ معظمہ (فتح سندھ صـ۱۲۲)

[2] جدید دنیائے اسلام (ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ)

[3] مقالہ مسٹر ہیگ میکفرسن سابق گورنر پولیٹیکل انڈیا

کے تحت کی حمایت نصیب ہوئی مگر انہوں نے اپنے اعداد و شمار کے نقشے میں بتیس لاکھ کے خانہ سے آگے قدم نہیں رکھا یعنی کل آبادی میں ۲ ۱ فیصدی۔ لا مذہب قبائل اکیاون لاکھ سے زیادہ نہ بڑھ سکے۔ ہندوؤں کی آبادی ستر کروڑ ضرور ہے لیکن تمام سیاسی ترقیوں کے باوجود ان کی بستیں مردم شماری کے محاذ پر خطرناک اور غیر محسوس صورت میں پیچھے کی طرف کھسک رہی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ملکی تنظیم اور حکومت خود اختیاری کی اصلاحی اسکیمیں ان کی بے روح زندگی میں رفتہ رفتہ جان ڈال رہی ہیں لیکن اسلام غیر معلوم راہوں سے عام ہندوؤں تک جو رسائی حاصل کر رہا ہے اور اسلام کی فطری کشش ان کو جس طرح فتح کر رہی ہے اس کے نتیجہ کا ایک صدی سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑیگا۔ اگر چھوت چھات کی شکستہ دیواریں اور رخنے پڑ گئے، سیاسی نفرت اور سیاسی چھوت چھات کا وہ نقصان رساں نظریہ جس کے موجد اس عصر کے ناعاقبت اندیش مسلم سیاستداں ہیں اپنی موت آپ مر گیا اور تمدنی زندگی کی عام راہوں پر ہندوؤں کو مسلمانوں سے زیادہ میل جول کا موقع ملا تو ہم دیکھینگے کہ سترہ کروڑ ہندوؤں اور چار کروڑ اچھوتوں کو مسلمانوں کی مقناطیسی کشش کس طرح اپنے اندر جذب کر لینے میں کامیاب ہو جائیگی۔

## ماضی وحال کا ربط

ہم آج ہندوستان میں نو کروڑ ہیں، یہ بات ہمارے لیے جس قدر خوش آئند ہے اس سے زیادہ اس ملک میں ہماری ذمہ داریوں کو نمایاں کر رہی ہے۔ اگرچہ ہماری موجودہ زندگی۔ زندگی کے محرکات۔ ان محرکات سے پیدا ہونے والے آثار و علائم بالکل نئے ہیں اور واقعات و حالات کے آئینہ میں مذہبی سے زیادہ سیاسی نظر آرہے ہیں تاہم ہندوستان سے ہمارے اس تعلق کے ربط و ضبط کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ان بنیادوں کا تلاش کرنا ضروری ہے جن پر ہماری ترقی پذیر تاریخ کا انحصار ہے۔

اگرچہ واقعات کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور ہم علم و آگاہی کے مقام پر اپنے ماضی کے آثار کو زیادہ محسوس کرنے کے عادی نہیں ہیں مگر یہ حقیقت ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہیگی کہ تاریخ کی عمارت ماضی ہی پر

قائم ہوئی ہے۔ زمانہ امروز و فردا کے واقعات کا ایک مکمل مجموعہ ہے۔ ہماری آج کی تشکیلات جن کو ہم زندہ آرزوؤں کے فانوس میں ایک پھیلی ہوئی روشنی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں اسی مجموعہ کا ایک حصہ ہیں ہمارے حال کی وسعتیں اور ان وسعتوں کے خوشگوار و خوش آئند نتائج کا تمام دار و مدار ہماری تاریخ ماضی کے ان مجاہدین پر ہے جنہوں نے ہم سے پہلے زمین کے دل پر دسترس حاصل کی۔

ہم آج یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری تعداد کروڑوں انسانوں پر مشتمل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس ملک میں جس طرح ہم ایک خدا پرست اور راستباز مسلمان کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح ہماری ایک صحیح حیثیت یہ بھی ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان سے ہمارا تعلق تاریخی ہے۔ دنیا کا کوئی جبر اور کوئی مخالف قوت نہ ہمارے اس تعلق پر حرف لاسکتی ہے اور نہ اس کو منقطع کر سکتی ہے۔

یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ ہم ہندوستان کے سینے میں ایک گرم دل کی حیثیت رکھتے ہیں ہم نے یہاں مذہب، اخلاق اور تہذیب و تمدن کی جن نئی راہوں اور شاہراہوں کو تعمیر کیا ہے راہ سے گذرنے والے ان کی افادی حیثیت سے انکار نہیں سکتے۔ اگرچہ ہماری موجودہ زندگی کے نئے عناصر کی تخلیق میں انیسویں صدی کے نصف اول میں رونما ہونے والے واقعات کا بہت زبردست اثر ہے۔ لیکن جب ہم اس سرچشمہ کی تلاش میں نکلتے ہیں جہاں پہنچ کر ہم نے پہلے دن اُس ملک کا پانی پیا تھا جہاں گنگا ایسی اچھی اور بڑی ندی بہتی ہے اور جس کی حفاظت و پاسبانی قدرت کی جانب سے ہمالیہ ایسے بلند پہاڑ کے سپرد کی گئی ہے، تو ہمیں بالکل ابتدائی منزل پر محمد بن قاسم کی ظفر موج افواج کا ہراول دستہ نظر آتا ہے۔

## تاریخ قدیم کا ایک صفحہ

اس میں ذرا شک نہیں کہ ہندوستان میں ہماری آمد کی دشوار گذار راہوں پر جو سنگلاخ چٹانیں نظر آتی ہیں اُن کے ہر گوشہ پر محمد بن قاسم کے فاتح سپاہیوں کا نام ثبت نظر آتا ہے لیکن ہمیں اس

بات کو نظرانداز نہ کردینا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد اُن کی آبادی اور وسعت کا انحصار تمام تر فوج کشی پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اسلام کے ان سعید فطرت با کمال اور صاحب حال بزرگوں سے بھی ہے جو زندگی بھر اس مادی دنیا میں اسلام کی حقیقی اور موثر روح کی نمائندگی کرتے رہے۔

ہندوستان میلاد مسیح سے صدیوں قبل ایک شاندار اور مستقل تہذیب کا گہوارہ تھا ہمیں راجہ اشوک کے عہد حکومت میں ہندوستان کی زندگی میں مذہبی انداز پر سلطنت کی تنظیم کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی آمد اور محمد بن قاسم کی فوج کشی سے قبل ہندوستان میں مذہب اور سلطنت کی قوتیں اپنی محکم صورت میں باقی نہیں رہی تھیں۔ محمد بن قاسم کے مہذب و متمدن سپاہیوں کے لیے انسانی خدمت کے نقطۂ نگاہ سے یہ وقت کی ایک نیک فال تھی تاہم اس کا اثر جس قدر سندھ پر ہو سکتا تھا اتنا ملک کے بعید ترین علاقوں میں ہونا دشوار تھا۔

محمد بن قاسم کی آمد سے قبل اسی ہندوستان میں شمال مغربی راہ سے یونانی آچکے تھے، ایرانی آچکے تھے، اہل باختر (افغانستان قدیم اور وسط ایشیا کے باشندے) آچکے تھے، سفید ہن اور سیتھین آچکے تھے، اور ہندوستان کے باشندوں کے ملے جلے نقوش اور ملک کے مختلف حصوں میں مختلف الاصل انسانوں اور مختلف تمدنوں کی متعدد نشانیاں ان کی آمد کی گواہی دے رہی تھیں۔

یہ باہر سے آنے والے تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور اُن کے اس پھیلاؤ کو تاریخ کی آنکھ دیکھ رہی تھی ان کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کی آمد کا اثر سندھ پر تو ضرور تھا مگر ہندوستان کے دوسرے حصے اس سے محروم تھے۔

سوال یہ ہے کہ اسلام آج تک جس اعتقادی وحدت، جس مذہبی اثر و نفوذ اور جس تمدنی تنظیم کا داعی رہا ہے اُس کی رسائی ملک کے دوسرے حصوں میں کیونکر ہوئی؟

یہ صحیح ہے کہ وندھیاچل پہاڑ کے جنوب میں جہاں اسلام کی فتح و فوز کا قدم شمالی ہند کی فتوحات

کے صدیوں بعد پہنچا مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کوئی نمایاں اہمیت نہیں رکھتا۔ ہم تناسب کی اس کمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق مدراس میں یہ تناسب صرف ۶ فیصدی ہے، بمبئی کے مخصوص علاقہ میں ۹ فیصدی ہے، صوبہ متوسط (سی پی) میں ۵ فیصدی ہے۔ صوبہ بہار و اڑیسہ میں ۱۱ فیصدی، صوبہ متحدہ (دریائے گنگا کے وسطی رقبہ) میں جہاں مسلمانوں کی شہری اہمیت ۵ فیصدی سے زیادہ معلوم ہوتی ہے ۱۵ فیصدی ہے۔ یہ تناسب ہر صوبہ میں اپنی جداگانہ حیثیت سے کم سہی لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی مسلمان ایک مجموعی اہمیت رکھتے ہیں۔

مذہب واخلاق کے عام مطمح نظر کی رو سے یہ بات کچھ کم اہم نہیں ہے اور اس مرحلہ پر پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ اسلام کی یہ نوآبادیاں محض مسلمانوں کی فوج کشی کے زیر اثر روبہ ترقی ہیں یا اس کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے۔

## مُلک گیری کا اسلامی نصب العین

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے ملک کی شہرۂ آفاق ادیبہ سروجنی نائیڈو نے جو اوائل ہی سے اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی تمدن کی مداح ہیں آج سے بارہ سال قبل فرمایا تھا:

"اسلام نے آج سے تیرہ سو سال قبل انسانی مساوات کا قابلِ قبول اصول پیش کیا۔ دنیا کو ایک خاندان کے مساوی افراد کا مجموعہ قرار دیا اور عوام کی بھلائی کے لیے ایک ایسی جاذب توجہ جمہوریت کی تشکیل میں حصہ لیا جس کو قانون الٰہی چلاتا ہے اور جس کی نظر میں امیر وغریب یکساں ہیں"

ان الفاظ کے بعد ایک پیشین گوئی بھی تھی اور اس کے یہ الفاظ تھے:- میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ ایک دن وہ آئیگا جب اسلام تمام دنیا کے مذاہب کو اپنے اندر جذب کر لیگا"

اسلام کے متعلق انگلستان کے مشہور ادیب برنارڈ شا کے الفاظ بھی دنیا کے کانوں نے گذشتہ چند سال میں بار بار سُنے ہیں۔ "دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا"

زبانِ خلق نقارۂ خدا کی آواز ہے۔ ایک مسلمان کو یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا لیکن اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا دنیا کا آئندہ مذہب اس لیے اسلام ہوگا کہ محمد بن قاسم کے فوجی اپنی قبروں سے اُٹھ کر تلواریں سنبھال کر گھوڑوں پر سوار ہو جائینگے اور ہندوستان کو فتح کرنے تمام دنیا کو فتح کر ڈالینگے یا سچائی اور ایمان کی وہ قوتیں جو محمد بن قاسم کے اسلحہ کی قوت تھیں دنیا کو فتح کر کے اسلام کے فیضان عام کو عام کر دینگی۔

سروجنی نائیڈو اور برنارڈ شا کے اقوال اپنی جگہ دل خوش کن سہی لیکن کیا یہ اقوال ان الفاظ کا تازہ سانس نہیں ہیں جو آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سب سے بڑے انسان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنے گئے تھے۔

لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر — زمین کی سطح پر کوئی گھر مٹی کا ہو یا اونی خیمہ ایسا باقی نہیں ہوگا

الا ادخلہ اللہ کلمۃ اسلام — جس میں اسلام کا نام نہ لیا جاتا ہو

اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے فاتح مذہب ہے وہ انسانی جسم کی طرح روح کو بھی فتح کرتا ہے کروڑوں انسانوں کی ایک مستقل دنیا محض جبر واکراہ سے مسلمان نہیں بن سکتی۔ اسلام کے پیروؤں نے ملک گیری میں حصہ ضرور لیا ہے لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کی ملک گیری کا نصب العین اسلام کے علاوہ اور کچھ نہیں اور اسلام اپنی سادہ اور حقیقی شکل میں انسانی بھلائی کا ایک ضابطہ ہے، اور اس کے علاوہ کوئی ایسی شے نہیں جس کے باب میں سوچنے اور سمجھنے والے انسان کی فطرت کو کوئی جھجک پیدا ہو۔

ہندوستان میں اسلامی فتوحات اور مبلغینِ اسلام کی حیرت انگیز کامیابی کا اندازہ کرنے کے

لیے تاریخ کا ایک واقعہ کافی ہوگا۔ غسان کا بادشاہ روم کے شہنشاہوں سے خاص تعلق رکھتا تھا۔

پیغمبر اسلام نے شجاع بن وہب الاسدی کو اپنا مذہبی سفیر بنا کر شاہ غسان کے پاس بھیجا۔

بادشاہ کے وزیر دربار نے شاہی ملاقات سے پہلے ملاقات کی اور اسلام کے متعلق کچھ سوالات اور کچھ

اطمینان آفریں جوابات پائے، چند روز بعد شاہی دربار میں رسائی ہوئی اور سفارتی کاغذات پیش

کیے۔ پیغمبر اسلام کے نامۂ گرامی میں یہ الفاظ بھی تھے۔

فَانِّی اَدْعُوكَ اِلٰی اَنْ تُومِنَ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ — میں تم کو ایمان (سکون روح کی حقیقی منزل) کی طرف بلاتا ہوں

یبقی لكَ مُلْكُكَ — اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہارا ملک بدستور تمہارے قبضہ میں رہے گا

ان صاف الفاظ سے یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں صحیح الاصول مسلمانوں کی ملک

گیری کا مقصد ملک گیری نہیں تھا بلکہ ایمان کا وہ ضابطۂ اجتماعی تھا جس نے خود ان کی زندگی میں ایک بہتر

انقلاب پیدا کر دیا تھا! اور جس کے متعلق ان کے دل کا سچا جذبہ یہ تھا کہ تمام دنیا اپنی فوز و فلاح کے اسی

ضابطہ پر آکر جمع ہوجائے۔

## خلفائے راشدینؓ کی نظر ہندوستان پر۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے متعلق اگر تاریخ کی غلط بینی سے علیحدہ ہوکر غور کیا جائے

تو مسلمانوں کی منظم آمد کے اس پہلو کے علاوہ جس کا تعلق سندھ سے ہے دوسرا پہلو دو امور پر مبنی نظر آتا ہے

(۱) بھائی بندی اور مساوات کے مذہبی اصول پر عقیدۂ توحید کی تبلیغ

(۲) ایک ایسی عالمگیر عمرانی جمہوریت کی تشکیل جس میں تمام بندوں کے شہری حقوق مساوی

ہوں اور جس کو بغیر شبہ خدائی جمہوریت کا نام دیا جاسکے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال الٰہی کے بعد خلفائے راشدین کے فوجی اقدام

اور پیشرفت کی بنیاد یہی دو امور تھے۔ ان امور کی تکمیل کے لیے اولین کام ایک "سچے پیغام" کا پہنچانا تھا۔ یہ پیغام جس ملک اور جس قوم کو دیا گیا اُس کے ساتھ چند حقیقتیں ہمیشہ رہی تھیں لیکن ہر زمانہ کی طرح اس زمانہ میں بھی ایسی روحیں موجود تھیں جو اس پیغام کے پہنچنے سے پہلے جارحانہ ارادوں کے ساتھ میدان میں نکل آئی تھیں اور اُن کا مجبور کن نتیجہ ایک جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں محمد بن قاسم کی فوجوں کے آنے سے پہلے عرب تاجر تبلیغ کے لیے ساحل گجرات پر اُتر کر سچائی اور وحدت کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض عالی ہمت ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے بادبانی جہازوں کو چین تک پہنچا کر دم لیا۔

امیر المومنین خلیفہ دوم کے زمانہ ہی میں شہادت کی انگلی ہندوستان کی طرف اشارہ کر چکی تھی۔ جب فاروق اعظم نے حضرت عثمان ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر بنایا تھا تو انہوں نے عمان پہنچ کر ایک لشکر کو سندھ کے ساحل کی طرف روانہ کیا تھا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوجی نقطۂ نگاہ سے ایک نظامی افسر کو ہندوستان کے حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ اس افسر کا نام حکیم بن جبلہ عبدی تھا۔ جب حکیم ہندوستان میں امر الٰہی کی اشاعت اور تحقیق حال کے بعد واپس ہوا تو امیر المومنین نے اس سے حالات دریافت کیے۔ حکیم نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا:-

"امیر المومنین! میں نے وہاں کے بہت سے شہروں سے واقفیت حاصل کی ہے اور خوب آزمایا ہے، ہندوستان میں پانی کم، کھجوریں خراب قسم کی اور لٹیرے بڑے دلیر ہیں۔ اگر ہماری فوج کم ہوگی تو تباہ ہو جائیگی، زیادہ ہوگی بھوکوں مرجائیگی۔"

---

ؔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے متعلق یہ کسی قدر غلط رپورٹ تھی جو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب حکیم نے سندھ سے آگے بڑھ کر ملک کی جو حالت معلوم کی ہوگی وہ بالکل درست تھی۔ سندھ کے مشرق میں راجپوتانہ کا ریگستانی علاقہ ایسا ہی ہے، جہاں پانی کی قلت اور اجناس کی پیداوار کی کمی ہے، نیز بھیلوں وغیرہ کا پیشہ ہی لوٹ تھا۔ ملک کی حالت کئی سو میل تک یہی تھی۔ اسی پر کل ہندوستان کو قیاس کر لیا گیا۔

امیرالمومنین نے ان الفاظ کو بڑی حیرت سے سُنا اور تعجب سے فرمایا کہ "یہ شاعری ہے یا واقعات" جواباً عرض کیا گیا کہ "امیرالمومنین صحیح عرض کر رہا ہوں" چونکہ تحقیقاتی رپورٹ ہمت افزا نہیں تھی اس لیے حضرت عثمانؓ نے توحید کے سپاہیوں کو کوچ کا حکم نہیں دیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے عہد گرامی میں سرحد سندھ پر اسلامی سپاہ نے اقدام کیا اور خراسان کے پہلو میں سندھ کے ایک شہر پر فتح حاصل کی یہاں تک کہ اسلامی جرنیل جناب حارث جن کے ماتحت رضاکاروں کے دستے تھے کچھ ہی روز بعد دوسرے حادثہ میں شہید ہو گئے محمد بن قاسم کے حملہ سے پہلے اسی طرح مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، ابتدائی جنگوں نے ہندؤں کے تعصب اور جنگی روح کو اور بھی بیدار کر دیا لیکن ان کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کی اخلاقی روح کام کرنے لگی، مفتوحین پر کوئی جبر نہ تھا۔ فاتحوں نے ان سے کسی قسم کے تعصب کا اظہار نہ کیا۔ ان کے مذہبی معاملات میں صلح کی پالیسی کو برقرار رکھا اور سابق باشندوں کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ ہمارے سفر کی روح رواں ملک گیری نہیں ہے، مسلمانوں کے انسانی اخلاق نے مفتوح طبقوں کے دلوں کو اس حد تک مطمئن کر دیا کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہمارے یہ نئے ہموطن جو انہی راہوں سے آئے ہیں جن راہوں سے ہماری نسلیں اس سے پہلے آ چکی ہیں۔ ہم سے بہتر ہیں اور ہماری ترقی کے لیے ان کے پاس کچھ ایسی بنیادیں ہیں جن کو مادی سے زیادہ روحانی کہا جا سکتا ہے۔ ان کے معتقدات ہمارے معتقدات سے بہتر، ان کے اخلاق ہمارے اخلاق سے افضل اور ان کے اصول زندگی ہماری زندگی کے طور طریقوں سے اچھے ہیں۔

## چند تاریخی شواہد

مسلمان ہندوستان میں صحیح اعتقاد کی دولت لے کر آئے تھے۔ ہندوازم کے اوہام اور ہندو نظامِ سلطنت کی تقسیم و تفریق کے اس تاریخی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد اسلام کے سچ

اعتقادات کی تلوارہی کے فاتحانہ کارناموں کی ایک صورت تھی۔

اس سلسلہ میں عسیفان کے بادشاہ کا ایک واقعہ اس تمام اجمال کی تفصیل پیش کرسکتا ہے یہ بادشاہ کشمیر، کابل اور ملتان کے درمیان حکومت کرتا تھا۔ اس کی فطرت اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح تھی اعتقادی امور میں عقل و دانش کو رہنما سمجھتا تھا۔ اس کی رعایا بت کی پوجا کرتی تھی، رعایا کا ایک مندر تھا، مندر میں ایک مورتی تھی اور اُسے کپڑے پہنا رکھے تھے۔ بادشاہ کا بیٹا بیمار ہوا تو پجاریوں کو دعا کا حکم ہوا، پجاری پتھر کی مورت کے سامنے حاضر ہوئے، دعا کی، ناکام ہونا تھا ناکام ہوئے اُدھر دعا ہو رہی تھی، اِدھر لڑکا ختم ہوگیا۔ بادشاہ کی فطرت سلیم کو غصہ آیا مندر گروا دیا گیا، بت تڑوا دیا گیا اور مسلمان تاجروں کو تلقین اسلام کے لیے دعوت دی گئی۔ اُنھوں نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور توحید کی تعلیم پیش کی تو بادشاہ کی فطرت سلیم کو سکون حاصل ہوا اور بالآخر اُس نے اسلام قبول کرلیا، یہ واقعہ عہد عباسی میں امیر المومنین معتصم باللہ کے عہد میں پیش آیا[1]

خلیفہ ثالث کے عہد سے لے کر عباسیوں کے عہد تک ہندوستان میں اسلامی فوج کشی کی تاریخ اس قسم کے واقعات کی نعمت سے مالا مال ہے۔

ہمیں مسلمانوں کے حملوں میں بالعموم ایک تسلسل نظر آتا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سلطنت میں ۳۹ھ کے آغاز میں حارث بن مرہ عبدی نے رضاکاروں کے ایک دستہ کے ساتھ امیر المومنین کی اجازت سے اقدام کیا اور فتح حاصل کی اور آخر کار ایک دوسرے معرکے میں بجز چند کے سب شہید ہوگئے۔ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا عہد تدبیر و تدبر کا عہد تھا آپ کے عہد میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ کی کمان میں حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا حملہ عبد اللہ بن سوار نے کیا اور اُنھیں شہادت نصیب ہوئی۔

ہمیں ان تمام فتوحات میں ملک گیری سے زیادہ امرحق کی تبلیغ نظر آتی ہے۔ مکران کے متعلق

[1] فتوح البلدان (باب فتوح السند) ۱۲

عربی ادب کا ایک ٹکڑا ہے کہ" وہاں کی حالت یہ ہے کہ آدمی زیادہ ہوں تو بھوک کے مرجائیں کم ہوں تو مصیبت میں مبتلا ہوجائیں" مسلمانوں نے مکران کو بھی فتح کیا، مکران کے فاتح سنان بن سلمہ کے لیے تاریخ کی یہ شہادت موجود ہے کہ اُس نے مفتوحہ علاقہ کی تنظیم کی، اس کی شہری حیثیت کو ترقی دی اور گورنر سندھ کی حیثیت سے اُس نے تمام بلاد سندھ کا نظم ونسق قائم کیا۔ تاریخ اُس کی قابلیت کا اعتراف کرتی ہے اور یہ بات ناقابل انکار ہے کہ اس کے اس اقدام میں خداپرستی کے جذبہ کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہ تھا۔

اِن فتوحات کے سلسلہ میں جو حقیقی جذبہ کارفرما رہا ہے اُس کو صحیح صورت میں محسوس کرنے کے لیے اسی دور کی تاریخ کے چند واقعات کا ذکر کافی ہوگا۔

(۱) دیبل کی تاریخی جنگ محمد بن قاسم کی زندگی میں ایک یادگار ہے۔ دیبل کو پوری قوت صرف کرنے کے بعد فتح کیا گیا لیکن فتح کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا گیا وہ وہاں ایک مسجد کی تعمیر تھی جس میں چار ہزار خداپرست انسان خدا کی عبادت کرسکیں۔

(۲) محمد بن قاسم دیبل سے "بیرون" آیا۔ اہل دیبل کی طرف سے دو سادھو اس سے ملے محمد نے اُن کے پیام صلح کو قبول کیا، اور اُنھوں نے یہ وعدہ کیا کہ خداپرستوں کی فوج کے لیے رسد کا انتظام کرینگے۔

(۳) محمد بن قاسم آگے بڑھا تو "سربیدس" کے سادھو آئے اور اسلام کی دولت صلح وسلام سے اپنا حصّہ لے کر چلے گئے۔

(۴) محمد "سدوسان" پہنچا، وہاں کے باشندوں نے صلح کا پیغام دیا، اُس کو قبول کیا گیا اور اُن کی شہری زندگی پر ذرا بھی حرف نہیں آیا۔ سدوسان کے چار ہزار جاٹ اسلامی فوج میں داخل ہوئے۔

(۵) محمد بن قاسم اسی طرح منزل بہ منزل اپنے اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اس نے اہلِ ساوندری کو امان دی اہل ساوندری نے اسلامی فوجوں کی مہمانی کو قبول کیا۔ یہاں تک کہ اسلام ان لوگوں کی روح پر چھا گیا۔

(۶) بسمد والوں سے بھی وہی سلوک ہوا جو ساوندری والوں سے ہو چکا تھا۔

(۷) رودر کے باشندوں نے مقابلہ کیا، مسلمانوں نے سختی سے دفاع کیا اور بڑھ کر محاصرہ کر لیا۔ جب رودر کے باشندوں نے دانش سے کام لیا اور آزمائشی صلح کا پیغام بھیجا تو صلح کی طے شدہ شرطیں یہ تھیں:-

ا۔ مسلمان اہل رودر کو قتل نہیں کرینگے۔

ب۔ مسلمان ان کے مندروں کو نہیں توڑینگے۔

اگرچہ مسلمان بُت پرستی کے خلاف تھے لیکن انہوں نے اِن دونوں شرطوں کو قبول کیا، اُن کی پابندی کی اور شہر والوں کو امان دینے کے بعد جو پہلا کام کیا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی کیونکہ خدا کے گھر میں خدا کا نام بلند کرنا ہی ان کی فتوحات کا مقصد تھا۔

اگرچہ اسلامی افواج نے معرکہ کے وقت سخت معرکہ کی جنگ لڑی لیکن بیشتر حالات میں جنگ اصل مقصد نہ تھی۔

(۹) ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات کے بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا تو انہوں نے راجگانِ ہند کے نام خطوط لکھے۔ ان خطوط کی روح بالکل وہی تھی جو پیغمبر اسلام کے مکتوب محبوب (بنام مَلکِ غسان) میں محسوس ہوتی ہے۔ ان خطوط کے الفاظ اپنے حقیقی مطالب کے ساتھ یہ تھے۔

اسلام واطاعت کو قبول کرو جو اسلام لے آئینگے اُن کے حقوقِ سلطنت میں کوئی تبدیلی

نہ ہوگی وہ اپنے ملک میں بدستور حکمراں رہینگے۔ مسلمانوں کے برابر اُن کے حقوق ہونگے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہیں وہی اُن پر عائد ہونگی"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ان خطوط کے ساتھ راجگانِ ہند کے سامنے اسلام کی تلوار نہیں گئی تھی۔ مگر ان کا اثر یہ ہوا کہ جے سنگھ اور بعض اور راجگان ہند نے بالآخر اسلام قبول کرلیا۔

اسلامی ہند کے عناصر ترکیبی

تاریخ کی ترقی کے ساتھ مسلمان بھی ترقی کرتے رہے۔ اور ان کی ترقی کے لیے ہندوستان کی فضا نے کچھ اور ایسے نئے سامان کر دیے جنھوں نے مقصد کی حدود کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

اسلام کو ہندوستان میں جو قبول عام، ترقی اور ہمہ گیر حیثیت حاصل ہوئی اُس کو علیگڈھ کالج کے مشہور پرنسپل سر تھیوڈر ماریسن نے اپنے مقالے[1] "مسلم تحریکات" میں ایک دلکش تقسیم کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ اس کا اختصار دیکھنے کے قابل ہے۔

(۱) تمام ہندوستان کی مجموعی آبادی (باستثنائے برما) تیس کروڑ اسی لاکھ ہے جس میں سے سات کروڑ ستر لاکھ مسلمان ہیں۔

(۲) ان مسلمانوں میں کچھ تو وسط ایشیا سے آنے والے اُن فاتح عربوں، افغانوں اور ترکوں کی اولاد ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہے۔

(۳) لیکن ان مسلمانوں کی اکثریت کی رگوں میں ہندوستان ہی کا خون جاری وساری ہے۔ یہ اکثریت اونچی ذات کے راجپوتوں، محنتی شودروں اور پسماندہ اچھوتوں پر مشتمل ہے جنھیں نامعلوم الاسم مبلغین نے مسلمان بنایا تھا۔ یا جن تک دعوت اسلام اُن مشہور اولیا اور بزرگانِ دین کے ذریعہ پہنچی ہے جن کے مزار آج تک بے شمار عقیدتمندوں کا مرجع ہیں۔

---

[1] پولیٹکل انڈیا۔

(۴) ہندوستان کی اسلامی آبادی میں ایک اور ذریعہ سے بھی اضافہ ہوا۔ تیرہویں صدی میں قطب الدین ایبک کے زمانہ سے اٹھارویں صدی کے اوائل، اورنگ زیب کے عہد تک شاہانِ اسلام کی حکومت میں ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے وسط ایشیا سے متمدن اور مہذب سپاہی، فوجی افسر، ماہرین فنون، مدبرین اور علماء مسلسل بڑی تعداد میں ہندوستان آتے رہے، اُن میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں نامور خاندانوں کی بنیاد ڈالی۔

سرتھیوڈر مارِیسن کی یہ تصریحات تاریخ کی سنجیدہ روایات سے ایک قدرتی مطابقت رکھتی ہیں۔ کروڑوں انسانوں کا کسی ایک مرکز وحدت پر اجتماع کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ تلوار کسی ایک مختصر جماعت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجبور نہیں کرسکتی، کیونکہ کارلائل کے قول کے مطابق تلوار کی قوت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر اسلام کے تیغزن سپاہیوں نے دنیا کو مسلمان بنایا ہے تو ان تیغزن سپاہیوں کو پہلے پہل کون سی تلوار سے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔

## گاندھی جی کا اعلانِ حق

مہاتما گاندھی آج پوری عقیدت سے کہتے ہیں:-

"اسلام دین حق کی ایک آواز ہے جب مغرب تاریکی میں تھا تو مشرق کے اُفق پر نور کا ایک ستارہ طلوع ہوا، اسلام بے چین دنیا کے لیے سکونِ روح بن کر آیا۔ اسلام کوئی جھوٹا مذہب نہیں ہے۔ مجھے پختہ یقین ہوگیا ہے کہ اسلام کی ترقی واشاعت میں تلوار نہیں بلکہ اس کی تعلیم اور تجربہ تھا"[1]

گاندھی جی کی اس رائے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے زوال کے

[1] بھائی پرمانند کا ترجمان اخبار ہندو لاہور ص۱۲ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۴ء